18

تلقین صبر و استقامت

(فرمودہ ۱۵ مئی ۱۹۲۵ء)

تشہد، تعوذ اور سورۂ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

آج میں اپنے دوستوں کو اس فرض کی طرف متوجہ کرنا چاہتا ہوں جو انبیاء کی جماعتوں کے اہم ترین اور اولین فرائض میں سے ہے۔ جس کے بغیر کوئی جماعت ترقی نہیں کر سکتی اور نہ دنیا کو اپنے پیچھے چلنے پر مجبور کر سکتی ہے۔ اور جس فرض کی طرف سے مجھے نہایت افسوس سے کہنا پڑتا ہے کہ ہماری جماعت کے افراد یا جماعتیں ان دنوں غافل ہیں۔ حالانکہ وہ فرض ایسا ہے کہ ہر نبی کے زمانہ کے لوگوں نے اس کو پورا کیا ہے اور کوئی جماعت ایسی نہیں گزری جو کامیابی کا منہ بغیر اس فرض کی ادائیگی کے دیکھ سکی ہو۔

یہ فرض کیا ہے یہ فرض ہے صبر جو عند المقدرت ہو اور عدم مقدرت بھی۔ گو بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ صبر وہی ہے جو عند المقدرت ہو۔ لیکن جب صبر کی حقیقت پر غور کریں تو پتہ لگتا ہے کہ صبر کی بعض قسمیں ایسی بھی ہیں۔ جن کی خوبی اس وقت ظاہر ہوتی ہے جب کہ عدم مقدرت ہو۔ صبر کا لفظ قرآن کریم میں بہت لطیف اور وسیع معنوں میں آیا ہے اور وہ بہت وسیع مطالب پر حاوی ہے۔ لیکن بہت سے لوگ اس کے حقیقی معنوں سے بالکل ناواقف اور بے بہرہ ہیں۔ بہت لوگ ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں صبر یہ ہے کہ جب کوئی دکھ یا مصیبت پڑ جائے تو روئیں دھوئیں نہیں۔ حالانکہ صبر کے یہ معنی نہیں ہیں۔ صبر کے معنی ہرگز یہ نہیں ہیں کہ جب انسان پر کوئی دکھ یا مصیبت یا اور تکلیف آئے یا اس کا کوئی رشتہ دار فوت ہو جائے تو وہ آنسو نہ بہائے اور روئے نہیں۔ بلکہ صبر کے یہ معنی ہیں کہ انسان ان تکالیف اور دکھوں پر جزع فزع نہ کرے۔ مایوس نہ ہو جائے۔ کام چھوڑ نہ بیٹھے اور اپنا قدم پیچھے نہ ہٹائے۔

ورنہ رنج و غم اور افسوس طبعی امور ہیں اور ان کو کوئی مذہب روک نہیں سکتا۔ یہ قاعدہ کی بات ہے کہ کسی کو جو چیز دی جاتی ہے اسے استعمال کرنے کا بھی وہ حق دار ہوتا ہے۔ ورنہ دینے کا کیا مطلب مثلاً ہم اگر کسی شخص کو ایک ہاتھ سے کھانا دیں اور دوسرے ہاتھ سے چھین لیں تو یہ دینا نہیں ہوگا۔ اور وہ ضرور کہے گا یہ کیسا شخص ہے۔ ابھی تو مجھے کھانا دے رہا تھا اور ابھی مجھ سے چھین لیا ہے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے جو طاقتیں انسان کے اندر رکھی ہیں وہ اس لئے ہیں کہ انسان ان سے کام لے ورنہ انہیں کیوں رکھا گیا۔

اگر خدا تعالیٰ نے طبعی طور پر ہمارے اندر یہ بات رکھ دی ہے کہ ہم خوش ہوں تو وہ مذہب کبھی سچا نہیں ہو سکتا جو یہ کہے کہ ایسا مت کرو اور اگر غم کا مادہ بھی طبعی طور پر ہمارے اندر خدا کی طرف سے رکھ دیا گیا ہو تو کوئی مذہب جو سچا ہونے کا دعویدار ہے۔ ہرگز یہ نہیں کہہ سکتا کہ غم مت کرو۔ مذہب کا یہ کام نہیں ہے کہ وہ ان طبعی جذبات کو جو خدا تعالیٰ نے ہمارے اندر رکھے ہیں۔ ان کے اظہار سے ہمیں روکے۔ مذہب کا کام صرف یہ ہے کہ وہ ان جذبات کی حد بندی کرتا ہے کہ کس حد تک ہم ان جذبات کو استعمال کریں۔ مذہب یہ بتائے گا کہ کس حد تک ہم خوش ہوں اور کس حد تک غم کریں۔ کس حد تک غم کرنا اچھا ہوگا اور کس حد تک نقصان دہ۔ لیکن یہ نہیں کہ مذہب خوش ہونے سے ہی منع کر دے۔ یا غمگین ہونے سے روک دے۔

پس صبر کا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ انسان کسی افسوس کے موقع پر غم نہ کرے اور آنسو نہ بہائے۔ کیونکہ آنسو بہانا طبعی امر ہے۔ خدا تعالیٰ نے خاص عضو اور ایسے غدود انسان کے جسم کے اندر رکھے ہیں جو آنسو بہانے میں مدد دیتے ہیں۔ اگر آنسو بہانا شریعت کے خلاف ہوتا تو کہہ سکتے تھے کہ یہ عضو خدا تعالیٰ نے شریعت کے خلاف بنائے ہیں۔ لیکن ایسا نہیں ہے۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے انسان کے جسم کے اندر کوئی ایسا عضو یا ایسے غدود نہیں رکھے جو خلاف شریعت کاموں کے کرنے میں ممد ہوں۔ مثلاً پیٹنا ہے۔ یہ اس لئے منع ہے کہ خدا نے کوئی غدود انسان کے جسم کے اندر ایسی نہیں رکھی جس کو اس لئے بنایا گیا ہو کہ پیٹا جائے۔ لیکن اس کے مقابلہ میں انسان کے جسم کے اندر ایسی باریک در باریک غدودیں کثرت سے پائی جاتی ہیں جن میں سے رطوبت نکلتی رہتی ہے اور جس کی وجہ سے آنسو بنتے ہیں۔ پس رونا ایک طبعی امر ہے۔ یہ ان غدودوں کے موافق ہے جو محض آنسو بہانے کے لئے خدا تعالیٰ نے انسان کے جسم کے اندر رکھ دی ہیں۔ اس لئے یہ منع نہیں ہو سکتا۔ اگر کہا جائے کہ ہاتھ ہلانا بھی طبعی امر ہے اور ہاتھ ہلانے سے ہی پیٹا جاتا ہے۔ اس لئے پیٹنا بھی جائز

ہوا۔ تو یہ صحیح نہیں۔ کیونکہ ہاتھ ہلانا بے شک طبعی امر ہے۔ لیکن اس لئے کہ انسان کام ہاتھوں سے کرتا ہے۔ نہ اس لئے کہ ان سے پیٹا جائے۔

پس آنسو بہانا ایک طبعی امر ہے۔ اور صبر کا یہ مفہوم بالکل غلط ہے کہ انسان کسی مصیبت اور دکھ کے وقت آنسو نہ بہائے۔ پھر بعض کے نزدیک صبر کے یہ معنی ہیں کہ کوئی شخص اگر کسی پر ظلم کرے تو وہ شخص جس پر ظلم ہو رہا ہے وہ چپ کر کے بیٹھا رہے۔ یا وہ شخص جس کے حقوق چھینے جا رہے ہوں وہ کوئی ایسی تدبیر نہ کرے کہ جس سے اس کا حق اس کو مل جائے۔ حالانکہ صبر کے یہ بھی معنی نہیں ہیں کہ انسان اپنے حقوق کو چھوڑ دے۔ کیونکہ حقوق کی نگہداشت بھی شریعت کی رو سے نہایت ضروری ہے۔ اور جو شریعت یہ کہتی ہے کہ اپنے حقوق کی نگہداشت نہ کرو وہ کسی سچے مذہب کی طرف قطعاً منسوب نہیں کی جا سکتی۔

صبر کے مفہوم کئی ہیں۔ جن میں سے بعض ایسے ہیں جن کو ہمارے ملک کے لوگ بالکل جانتے تک نہیں۔ کیونکہ ان کے لئے جو الفاظ ہیں وہ ان معنوں میں یہاں استعمال ہوتے ہیں جو اصل مفہوم کے خلاف ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ صبر عربی زبان میں کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے اور قرآن کریم میں خدا تعالیٰ نے اس کی بہت بڑی حکمت بیان فرمائی ہے۔ چنانچہ صبر کے ایک معنی یہ ہیں کہ انسان متواتر اور استقلال کے ساتھ ان بدیوں کا مقابلہ کرے جو اس کو اپنی طرف کھینچ رہی ہوں۔ اور ان بدیوں کے مقابلہ کے لئے تیار رہے جو اس کو آئندہ پیش آنے والی ہیں۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ استقلال کے ساتھ ان نیکیوں پر قائم رہے جو اس کو حاصل ہو چکی ہوں اور ان نیکیوں کے حصول کی کوشش کرے جو اس کو ابھی ملی نہیں۔ غرض ایک مقصد پر استقلال کے ساتھ قائم رہنے کا نام صبر ہے۔ ہماری زبان کے مفہوم کے لحاظ سے استقلال ان معنوں میں استعمال نہیں ہوتا جن معنوں میں عربی زبان کے مفہوم کے لحاظ سے صبر کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ کیونکہ عربی زبان میں صبر کا لفظ استقلال حریت اور اپنی ذات میں کامل ہونے اور عدم احتیاج کے مفہوم میں استعمال ہوتا ہے۔ لیکن ہماری زبان کے مفہوم میں استقلال ان معنوں میں استعمال نہیں ہوتا اور جو معنی ہم استقلال کے لیتے ہیں اسے عربی زبان میں صبر کہتے ہیں۔ پس عربی زبان میں استقلال کے ساتھ بدیوں کا مقابلہ کرنے استقلال کے ساتھ نیکیوں پر قائم رہنے اور استقلال کے ساتھ آئندہ نیکیوں کے حصول کی کوشش کرنے کا نام صبر ہے۔

دوسرے معنی صبر کے یہ ہیں کہ انسان جزع فزع نہ کرے۔ جب کوئی مصیبت اس پر آپڑے تو گھبرائے نہیں اور ہمت نہ ہارے۔ اگر اس کا کوئی عزیز مرتا ہے۔ یا اس کا مال کھویا جاتا ہے۔ یا اور اسی قسم کا کوئی واقعہ پیش آتا ہے تو وہ اس امر کو مدنظر رکھے کہ جو کچھ اس کے پاس ہے وہ اس کا نہیں بلکہ بطور انعام خدا تعالیٰ کی طرف سے اس کو ملا ہوا ہے۔ یہ ایسا صبر ہے جو دوسروں کے مقابلہ میں کام کرنے میں کام آتا ہے۔ تا کہ اگر دوسرے لوگ اس کو کسی قسم کا دکھ یا تکلیف دیں تو یہ گھبرائے نہیں۔

پھر اس کی بھی آگے دو قسمیں ہیں۔ ایک ان معاملات میں صبر کرنا۔ جو اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں اور بندوں کا ان میں کوئی دخل نہیں ہوتا۔ اور دوسرے ان معاملات میں جو بندوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ جو معاملات اللہ تعالیٰ کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں ان کی مثال اس طرح ہے مثلاً ایک شخص کا کوئی رشتہ دار فوت ہو گیا یا بیمار ہو گیا۔ یا ملک میں قحط پڑ گیا۔ یا کوئی ایسی جنگ چھڑ گئی جس کی وجہ سے اس کے کاروبار میں گھاٹا پڑ گیا۔ یہ ایسے واقعات ہیں کہ ان میں اس کا کوئی دخل نہیں۔ ان میں خدا تعالیٰ کی رضا پر استقلال کے ساتھ قائم رہنا صبر کہلاتا ہے۔

لیکن ایسے معاملات جو بندوں کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ وہ اس طرح ہوتے ہیں کہ یہ ہاتھ پاؤں ہلا سکتا ہے۔ لیکن پھر بھی اگر کوئی شخص اس پر سختی کرتا اور اس کو دکھ دیتا ہے تو یہ چپ رہتا ہے۔ مثلاً کوئی شخص اس کو تھپڑ مارتا ہے تو یہ آگے سے بولتا نہیں۔ خدا تعالیٰ تو اگر اس کی جان بھی لے لے تو یہ بول نہیں سکتا اور نہ کسی قسم کا مقابلہ کر سکتا ہے۔ لیکن اگر ایک انسان اس کو تھپڑ مارتا ہے۔ تو یہ بھی مناسب موقع پر کارروائی کر سکتا ہے۔ اگر اس کو تھپڑ مارنا ہی مناسب ہو تو تھپڑ مار سکتا ہے۔ لیکن اگر اس وقت تھپڑ مارنا قومی فوائد کے لحاظ سے یا اس شخص کی اصلاح کی غرض سے مناسب نہ ہو تو تھپڑ نہیں مارتا۔ یہ بھی صبر میں داخل ہے۔ پس بعض مواقع جہاں تھپڑ مارنا ضروری اور مفید ہوتا ہے۔ وہاں اس کو چاہیے کہ ضرور تھپڑ مارے اور بعض مواقع جہاں تھپڑ مارنا مفید نہ ہو۔ وہاں اس کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ تھپڑ نہ مارے۔ لیکن اس حالت میں ایک شرط ہو گی اور وہ یہ کہ یہ بزدل نہ ہو۔ اور اس وجہ سے چپ نہ ہو کہ یہ بھی مجھے آگے سے مارے گا۔ خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں تو اس کا چپ رہنا اور صبر کرنا عدم مقدرت پر مبنی ہو گا۔ لیکن انسانوں کے مقابلہ میں اس کا صبر عند المقدرت ہو گا۔ وہ بدلہ لینے کی طاقت رکھتا ہے لیکن اس لئے بدلہ نہیں لیتا کہ شائد بدلہ نہ لینے سے کوئی مفید نتیجہ نکل آئے۔ تو یہ اس کا صبر کہلاتا ہے۔ مگر خدا تعالیٰ کے مقابلہ میں تو یہ بدلہ کی مقدرت ہی نہیں رکھتا۔ وہاں اس کا چپ رہنا یا نہ رہنا برابر ہو گا۔ اس لئے

وہاں صبر کے یہی معنی ہوں گے کہ گھبرائے نہیں اور ہمت ہار کر بیٹھ نہ رہے۔ لیکن بندوں کے مقابلہ میں اس کو بدلہ لینے کی مقدرت ہو اور پھر صبر کرے تو صبر' صبر کہلانے کا مستحق ہو گا۔ کیونکہ بدلہ لینے کی طاقت رکھتے ہوئے پھر صبر کرتا ہے۔ اگر کوئی شخص قید میں کوٹھری کے اندر بند ہو۔ کوئی رستہ اس کے نکلنے کا نہ ہو۔ اور وہ کہے کہ میں صبر کر کے بیٹھا ہوا ہوں تو یہ اس کا صبر نہیں ہو گا۔ کیونکہ اگر دروازہ کھلا ہوتا اور کوئی اس کو نہ روکتا تو ضرور وہ قید سے نکل جاتا۔ اس کا اس وقت قید میں چپ چاپ بیٹھا رہنا اس سبب سے ہے کہ اس کے بھاگنے کا کوئی رستہ نہیں۔ پس اس کا یہ صبر صبر نہیں کہلائے گا۔ انسانوں کے مقابلہ میں صبر ہمیشہ وہ ہوتا ہے جو عند القدرت ہو۔ مگر شرط یہ ہے کہ انسان بزدل نہ ہو۔ کیونکہ بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ انسان کمزور ہوتا ہے اس میں بدلہ لینے کی طاقت اور ہمت نہیں ہوتی۔ وہ خیال کرتا ہے اچھا میں صبر کرتا ہوں یہ اس کا صبر نہیں ہوتا۔ اسے ہم صبر نہیں کہیں گے۔ بلکہ اس شخص کو بزدل کہیں گے۔ صبر تو یہ ہے کہ وہ دیکھے مجھ میں اتنی طاقت ہے کہ میں بدلہ لے سکوں۔ لیکن پھر اگر ایسا شخص بدلہ نہیں لیتا اور صبر کرتا ہے تو یہ صبر ہے۔ ورنہ ایک ایسے شخص کے دل میں جس کو کسی نے دکھ یا تکلیف دی ہو یہ جوش ہو کہ اگر میں مضبوط ہوتا تو اس کو خوب اچھی طرح پیٹتا وہ اگر بدلہ نہیں لیتا تو بزدل ہے اور اس نے صبر نہیں کیا بلکہ بزدلی دکھائی ہے۔ اس نے بجائے صبر کا ثواب حاصل کرنے کے گناہ کیا۔ صبر وہی ہے جو بدلہ کی مقدرت رکھتے ہوئے کیا جائے۔

ہاں ایک کمزور شخص ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ اگر کوئی اس پر ظلم کرے تو خواہ ظلم کرنے والا بادشاہ ہی کیوں نہ ہو وہ کہے بادشاہ ہے تو کیا ہے میں بھی اس سے کسی نہ کسی طرح بدلہ لے سکتا ہوں۔ لیکن چونکہ خدا تعالیٰ کا حکم ہے صبر کرو اس لئے صبر کرتا ہوں تو ایسے شخص کا صبر بھی واقعی صبر کہلانے کا مستحق ہو گا۔ کیونکہ اس کی ہمت تو یہ ہے کہ وہ کہتا ہے خواہ میں خود مارا ہی جاؤں لیکن بادشاہ یا اور شخص جو مجھ پر ظلم کرتا ہے اسے بھی مزا چکھا دوں گا۔ لیکن چونکہ خدا کا حکم ہے اس لئے صبر کرتا ہوں۔ پس ایسا شخص بزدل نہیں بلکہ اس نے واقعی صبر کیا ہے۔

صبر کرنے کی کئی وجہیں ہوتی ہیں۔ بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جو اپنے ذاتی اغراض اور فوائد کے لئے صبر کرتے ہیں۔ اور میں نے بتایا ہے ایسا صبر نیکی نہیں بلکہ گناہ ہے۔ مثلاً ایک شخص کسی سے روپے مانگنے جاتا ہے اور وہ آگے سے اسے گالیاں دیتا ہے اور کہتا ہے تو بڑا بے حیا اور بے شرم ہے کہ روپے مانگنے کے لئے آگیا ہے۔ لیکن وہ ہنس کر ٹال دیتا اور خیال کر لیتا ہے کہ مجھے اس وقت اس شخص سے کام ہے اس لئے اس کی گالیاں بھی سن لینی چاہئیں۔ ایسا کرنے والا صبر نہیں

کرتا بلکہ وہ بے حیائی اور بے شرمی کی وجہ سے روپوؤں کی خاطر ایسی ذلت گوارا کرتا ہے۔ ایک واقعہ لکھا ہے کہ ایک شخص جو اعتقاداً سنی تھا ایک شیعہ بادشاہ کے پاس گیا اور اس سے کچھ مانگا۔ وزیر نے سمجھ لیا یہ سنی ہے۔ اس نے بادشاہ سے کہا اسے روپیہ نہ دیں۔ یہ سنی معلوم ہوتا ہے۔ بادشاہ نے کہا معلوم کرلینا چاہیے۔ اس پر وزیر نے کئی طریقوں سے پتہ لگانا چاہا کہ آیا یہ سنی ہے یا شیعہ۔ مگر وہ گول مول جواب دے دیتا۔ آخر وزیر نے کہا اس طرح تو کچھ پتہ نہیں لگتا اور معلوم یہ سنی ہوتا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ تبرّا کیا جائے۔ یعنی حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ، حضرت عثمانؓ کو گالیاں دی جائیں۔ بادشاہ نے کہا برہرسہ لعنت ہو یعنی نعوذ باللہ حضرت ابوبکرؓ، حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ تینوں پر لعنت ہو۔ پھر وزیر نے کہا۔ برہرسہ لعنت وزیر کے بعد اس شخص نے جو روپے مانگنے آیا تھا کہہ دیا برہرسہ لعنت۔ جب اس طرح بھی اس کا سنی ہونا ظاہر نہ ہوا۔ بادشاہ نے پوچھا کیا تم شیعہ ہو اس نے کہا نہیں میں شیعہ نہیں سنی ہوں۔ بادشاہ نے کہا پھر تم نے تبرّا کیوں کیا۔ اس نے جواب دیا میں نے کہا ہے برہرسہ لعنت یعنی ہم تینوں پر جو یہاں بیٹھے ہیں لعنت ہو۔ تم دونوں پر تو اس لئے کہ خلفاء کرام پر لعنت بھیجتے ہو اور مجھ پر اس لئے کہ میں واقعی لعنت کا مستحق ہوں کہ تمہارے پاس مانگنے آیا ہوں۔ تو ایسے شخص کا صبر صبر نہیں کہلا سکتا۔ ایسا شخص گالیاں سنتا اور اپنی ذاتی غرض پورا کرنے کی خاطر ہنس دیتا ہے۔ پس ایسا کرنا صبر نہیں بلکہ بے حیائی ہے۔ کیونکہ نفسانی اغراض کی خاطر ایسا انسان صبر کرتا اور گالیاں سنتا ہے۔

ہاں کبھی قومی اور مذہبی اغراض کے لئے صبر کرنا پڑتا ہے اور یہ صبر نفسانی اغراض کے لئے نہیں ہوتا اس لئے صبر کہلاتا ہے۔ مثلاً کسی ایسی جگہ جہاں اس کے بدلہ لینے کی وجہ سے اس کی قوم پر کوئی مصیبت آتی ہے وہاں اگر وہ حملہ کرتا ہے صبر نہیں کرتا تو اسے بیوقوف کہیں گے۔ کیونکہ اس طرح وہ اپنی قوم کو نقصان پہنچاتا ہے۔ لیکن جب وہ اپنی قوم کے نفع کے لئے بدلہ نہیں لیتا۔ یا دین کو نقصان سے محفوظ رکھنے کی خاطر صبر کرتا ہے۔ تو اس کا یہ صبر صبر کہلائے گا۔ پس قومی طور پر صبر اس طرح ہوتا ہے کہ اگر کوئی شخص اس واسطے دشمن کا مقابلہ نہیں کرتا اور چپ ہو رہتا ہے کہ اس کی قوم کو نقصان نہ پہنچ جائے تو اس کا ایسا کرنا صبر ہوتا ہے۔ اور دین کے لئے صبر اس طرح ہوتا ہے۔ مثلاً ہم کسی شخص کو تبلیغ کرتے ہیں اور وہ آگے سے ہمیں گالیاں دیتا ہے۔ اگر ہم اس پر صبر کرتے ہیں اور گالیوں کا کوئی جواب نہیں دیتے تو یہ صبر ہے۔ کیونکہ ہم یہاں اس لئے صبر کرتے ہیں کہ مبادا ہمارے اسی رنگ کا جواب دینے یا سختی کے مقابلہ میں سختی سے پیش آنے پر یہ شخص آئندہ ہماری بات ہی نہ سنے اور ہمیشہ کے لئے گمراہ ہو جائے۔ یا وہ خود اور دوسرے لوگ یہ خیال کرلیں کہ ہم میں

اور ان میں فرق ہی کیا ہے۔ جب یہ لوگ بھی گالیوں پر اتر آتے اور سختی کے مقابلہ میں سختی سے گفتگو کرتے ہیں تو ان میں مرزا صاحب نے کیا تبدیلی کی کہ ہم بھی انہیں مان لیں۔ اس وجہ سے بہت سے لوگوں کو ٹھوکر لگ جاتی ہے۔ اور ہر وہ شخص جو ایسے حالات میں سختی سے پیش آتا ہے۔ وہ ضرور کبھی دس کبھی سو اور کبھی ہزار شخصوں کے لئے ٹھوکر کا موجب بنتا ہے۔ ایسے شخص کو ہم باغیرت نہیں کہیں گے۔ کیونکہ وہ اپنے نفس کی غرض سے سختی کے مقابلہ میں سختی کرتا ہے اور دین کو نقصان پہنچا دیتا ہے۔ بعض شخص کہہ دیتے ہیں۔ اس میں ہماری نفسانی غرض نہیں ہوتی۔ ہم تو محض اس لئے سختی کا جواب سختی سے دیتے ہیں کہ وہ ہمارے دین کو برا بھلا کہتے ہیں۔ یا ہمارے نبی کو گالیاں دیتے ہیں۔ کیا ایسے وقت میں ہم چپ رہ کر بے غیرت بنیں۔ مگر میں کہتا ہوں یہ بھی تو نفسانی غرض ہو جاتی ہے۔ کیونکہ نبی کو جب ہم اپنا نبی کہہ لیتے ہیں تو اس کے ساتھ ہمارا ذاتی تعلق ہو جاتا ہے اور دراصل ہمیں غصہ اس لئے آتا ہے کہ وہ ہمارے نبی کو گالیاں دیتے اور ہمارے دین کو برا کہتے ہیں۔ اور ہمارے نبی اور ہمارے دین کو ہمارے ساتھ ذاتی تعلق ہے۔ پس ایسے موقع پر اگر ہم (صبر) نہیں کرتے ہیں تو گویا اپنے نفس کے دھوکہ میں آتے ہیں۔

بعض لوگ نادانی سے یہ کہہ دیتے ہیں کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے بھی تو اپنی کتابوں میں دیگر مذاہب کے لوگوں کے متعلق سخت الفاظ استعمال کئے ہیں اور بعض لوگ یہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ قرآن کریم میں بھی کئی جگہ کفار اور دوسرے لوگوں کو نہایت سختی کے ساتھ مخاطب کیا گیا ہے۔ مگر ایسے نادان یہ نہیں سمجھتے کہ خدا تعالیٰ اور اس کے انبیاء کی شان اور ہوتی ہے۔ ان کے مدنظر لوگوں کی اصلاح ہوتی ہے۔ اگر وہ ان کی حالت ان پر ظاہر نہ کریں تو وہ اصلاح کی طرف کیونکہ متوجہ ہو سکیں۔ اس کی کسی قدر مثال مجسٹریٹ سے دی جا سکتی ہے جو چوری کرنے والے کو چور کہتا ہے ڈاکہ ڈالنے والے کو ڈاکو کہتا ہے۔ بدمعاشی کرنے والے کو بدمعاش کہتا ہے۔ اس کا فرض ہے کہ کہے۔ لیکن کسی اور کا حق نہیں ہے کہ کسی کو چور یا ڈاکو یا بدمعاش کہے۔

پس خدا تعالیٰ حقیقی مجسٹریٹ ہے۔ اور نبی جو اس کی طرف سے دنیا میں آتے ہیں وہ اس کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ اس لئے وہ ایک مجرم کو مجرم کہہ سکتے ہیں۔ اور یہ ان کا حق ہوتا ہے کیونکہ وہ دنیا کے لئے بحیثیت مجسٹریٹ ہوتے ہیں۔ لیکن ہر شخص کا یہ حق نہیں ہوتا کہ وہ دوسروں کو چور یا مجرم کہتا پھرے۔

ایک مجسٹریٹ چور کو چور کہہ سکتا ہے۔ مگر ہم اسے چور نہیں کہہ سکتے۔ ہمارا کوئی حق نہیں کہ اسے چور کہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ مجسٹریٹ بھی چور کو چور نہ کہے۔ کیا یہ ہو سکتا

ہے۔ اور کبھی ایسا ہوا ہے کہ مجسٹریٹ ایک چور کے متعلق سزا کا فیصلہ دیتے وقت یہ کہے اور لکھے کہ اے شریف انسان میں تجھ کو چھ مہینے کی سزا دیتا ہوں۔ اگر وہ اپنے فیصلہ میں ایسا لکھتا ہے تو وہ مجسٹریٹ خود ملزم ہے۔ کیونکہ ایک طرف تو وہ اس کو چور سمجھ کر چھ مہینے کی قید کی سزا دے رہا ہے اور دوسری طرف فیصلہ میں اس کے متعلق لکھتا ہے کہ اے شریف انسان یعنی اے بے گناہ انسان میں تجھ کو سزا دیتا ہوں کیا کوئی مجسٹریٹ ایک شخص کو بے گناہ کہہ کر اس کو سزا دے سکتا ہے۔ اور اگر وہ ایسا کرے تو کیا وہ خود مجرم نہیں ٹھہرتا۔

1/9

پس خدا تعالیٰ کا نبی جب لوگوں سے کہتا ہے کہ تم بے دین اور گمراہ ہو گئے تو وہ بحیثیت ایک جج اور مجسٹریٹ کے ان کے متعلق یہ فیصلہ دیتا ہے۔ لیکن اگر ہم ایسا کہتے ہیں تو ہم گناہ گار ہیں۔ کیا ہر ایک کام جسے ہم کسی دوسرے کو کرتے دیکھیں خود بھی کرنے لگ جاتے ہیں۔ مثلاً ایک استاد لڑکے کو اس کی غلطی پر سزا دیتا ہے۔ اس کا حق ہوتا ہے کہ اس کو سزا دے۔ ہر شخص سزا نہیں دے سکتا۔ کیا اگر ایک بڑی عمر کا شخص اٹھ کر کہے کہ میں بھی لڑکے کو مارتا ہوں کیونکہ میں استاد سے بھی عمر میں بڑا ہوں۔ تو یہ جائز ہو سکتا ہے۔ مار وہی سکتا ہے جس کے لئے سزا دینے کا حق مقرر ہے۔ ہر شخص جسے سزا دینے کا کوئی حق نہیں وہ سزا نہیں دے سکتا۔ اسی طرح ایک ڈاکٹر کسی مریض کی آنکھوں کا اپریشن کرتا ہے۔ لیکن اگر دوسرا شخص جو ڈاکٹر نہیں کہے کہ میں بھی آنکھ کا اپریشن کروں گا تو یہ اس کی سخت بیوقوفی ہو گی۔ کیونکہ اگر وہ ایسا کرے گا تو یقیناً مریض کی آنکھ نکال دیگا۔ لیکن ایک ڈاکٹر بحیثیت اس فن میں ماہر ہونے کے حق رکھتا ہے کہ مریض کی آنکھوں کا اپریشن کرے۔ پس نبی بطور جج اور ڈاکٹر کے ہوتے ہیں۔ وہ لوگوں کو آکر بتاتے ہیں تم نے یہ جرم کیا ہے یا تمہیں یہ بیماری ہے۔ مگر ان معاملات میں ہمارا حق نہیں ہوتا کہ ہم بھی اسی طرح کہیں۔ ہر سخت لفظ جو ایک نبی گمراہ شدہ لوگوں کے متعلق بولتا ہے وہ دین کی خدمت ہوتی ہے۔ کیونکہ اگر وہ بھی ان لوگوں کو ان کے جرائم سے مطلع نہ کرے۔ اور ان کو تنبیہہ نہ کرے۔ تو انہیں اپنی غلطیاں۔ غلطیاں ہی نہ معلوم ہوں اور وہ بدیوں میں ترقی کرتے چلے جائیں۔

حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جہاں کہیں سخت الفاظ استعمال کئے ہیں وہ بطور جج اور مجسٹریٹ کے استعمال کئے ہیں۔ ورنہ جہاں کہیں اپنی ذات کا معاملہ آپڑتا ہے وہاں تو فرماتے ہیں۔

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو
رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

جیسا کہ مجسٹریٹ بھی جب کورٹ میں بحیثیت ایک منصف بیٹھا ہو ایک چور کو چور ہی کہے گا۔ لیکن

کمرہ عدالت سے باہر آکر وہ اس چور کے ساتھ بھی دوستانہ اخلاق کے ساتھ پیش آسکتا ہے۔ اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ایک مجرم اور چور جب اس کے گھر پر آکر ملتا ہے تو وہ اچھی طرح اور اخلاق کے ساتھ ملتا ہے۔ لیکن کمرہ عدالت کے اندر وہ ایسا ہرگز نہیں کرتا۔ کیونکہ یہاں وہ ایک مجسٹریٹ اور فیصلہ کرنے والے کی حیثیت سے بیٹھا ہے۔ اس وقت وہ اسی نام سے مجرم کو پکارے گا جس جرم کا اس نے ارتکاب کیا ہوگا۔ پس اگر حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی کتابوں میں بعض سخت الفاظ استعمال ہوئے ہیں تو وہ بطور جج اور مجسٹریٹ کے آپ نے استعمال کئے ہیں۔ لیکن حضرت صاحب کی ذات جب بولتی ہے۔ تو وہاں آپ یہی فرماتے ہیں۔

گالیاں سن کے دعا دیتا ہوں ان لوگوں کو

رحم ہے جوش میں اور غیظ گھٹایا ہم نے

اور ہمیں بھی آپ یہی تعلیم دیتے رہے ہیں کہ دوسروں کی سختیوں کو صبر کے ساتھ جھیلو اور ان کی گالیاں سن کر جواب نہ دو۔ لیکن ہم میں سے کئی ایسے ہیں کہ جب مخالفین کی طرف سے ان پر کوئی سختی ہوتی ہے تو وہ بہت گھبرا جاتے ہیں۔ اور یہاں لکھتے ہیں کہ اس کا انتظام کیا جائے اور امور عامہ کو کارروائی کرنے کے لئے کہا جائے۔ حالانکہ انہیں معلوم ہونا چاہیے کہ ایک وہ زمانہ تھا جب امور عامہ بھی نہ تھا اور لوگوں پر آج کی نسبت بہت زیادہ سختیاں ہوتی تھیں۔ ایک دفعہ حضرت صاحب لاہور گاڑی میں بیٹھے جا رہے تھے کہ آپ پر شہر کے بدمعاش پتھر پھینکتے جو آپ کی گاڑی پر آکر لگتے تھے۔ اس وقت کہاں امور عامہ تھا جب آپ پر پتھر پھینکے جاتے تھے۔ لیکن حضرت صاحب کے ماتھے پر بل تک نہ پڑتا تھا۔ اسی کا یہ اثر ہوتا تھا کہ انہی لوگوں میں سے سینکڑوں حضرت صاحب کی غلامی میں آکر داخل ہو جاتے تھے۔ اب ہم بھی اگر مخالفین کی سختیوں کے مقابلہ میں یہی اخلاق دکھائیں تو وہی جو ہم پر سختیاں کرتے ہیں۔ دکھ دیتے اور ہماری دل آزاری میں لگے ہوئے ہیں۔ انہی میں سے ہمارے حقیقی دوست اور پورے ہمدرد پیدا ہو جائیں۔

حضرت عمرو بن العاص کہتے ہیں۔ ایک زمانہ مجھ پر ایسا تھا کہ میں رسول کریم ﷺ کی شکل بوجہ حسد اور بغض کے نہیں دیکھا کرتا تھا۔ اور میں ہمیشہ یہ چاہتا تھا کہ کوئی ایسا وقت نہ آئے جب میں اور آپ ایک چھت کے نیچے جمع ہوں۔ لیکن پھر ایک وقت ایسا آیا کہ جب میں بوجہ محبت۔ جلال اور عظمت حضورؐ کی شکل نہ دیکھ سکتا تھا۔ اور اب اگر کوئی شخص مجھ سے آکر آپ کا حلیہ پوچھے تو میں نہیں بتا سکتا۔ کیونکہ میں نے ساری عمر آپ کے چہرہ مبارک کو نظر بھر کر نہیں

دیکھا۔ (ا) یہ رسول کریم ﷺ کے سخت ترین دشمنوں کا حال تھا۔ انہیں دشمنی بھی اتنی تھی کہ آپؐ کا چہرہ دیکھنا پسند نہیں کرتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے حقیقت کو سمجھا اور ایمان لے آئے تو آپ کے ساتھ ایسی محبت اور تعلق پیدا ہو گیا کہ بوجہ عظمت و جلال آپ کا چہرہ نہیں دیکھ سکتے تھے۔

ہزارہا لوگ ہماری جماعت کے اندر بھی ایسے پائے جاتے ہیں جنہوں نے مخالفت اور ایذادہی میں کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ لیکن جب انہوں نے سچائی کو سمجھا اور ہدایت کو قبول کیا تو وہی لوگ آپ کے جاں نثار دوست بن گئے۔ پھر ہزارہا ایسے آدمی بھی ہماری جماعت میں پائے جاتے ہیں جو اختلاف خلافت کے موقع پر ہم سے علیحدہ ہو گئے تھے اور مجھے سخت گالیاں دیا کرتے تھے۔ لیکن آج وہ ہمارے محب ہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ اپنی ناسمجھی کی وجہ سے گالیاں دیتے تھے۔ دراصل ان کا کوئی قصور نہ تھا۔ اور جب انہوں نے سچائی کو پالیا تو وہی لوگ محب بن گئے۔

پس مخالفین ہمیں اپنی ناسمجھی اور کم عقلی کی وجہ سے گالیاں دیتے ہیں۔ اس لئے ہمارا فرض ہے ہم ان کی گالیوں کے جواب میں ان کو گالیاں نہ دیں اور انہیں قطعاً برا بھلا نہ کہیں۔ بلکہ میں جماعت سے اپیل کرتا ہوں کہ وہ ان کی گالیوں اور سختیوں کو صبر سے برداشت کریں۔ تا ان لوگوں کو پتہ لگے کہ ہم ان کے لئے تکالیف اٹھا رہے ہیں اوران کے ظلم صبر کے ساتھ جھیل رہے ہیں۔ جب ان کے اندر یہ احساس پیدا ہو جائے کہ یہ لوگ ہمارے لئے اتنی تکالیف برداشت کر رہے ہیں تو پھر دیکھنا کس طرح ہزاروں کی تعداد میں وہ ہماری طرف دوڑتے اور جماعت میں داخل ہوتے ہیں۔ اگر ان کے مقابلہ میں ہم صبر کے ساتھ کھڑے رہیں اور ان کی ماریں کھاتے جائیں۔ ان کی سختیوں اور ظلم کی پرواہ نہ کرتے ہوئے اپنے کام میں لگے رہیں اور ان کو سچائی اور ہدایت کی طرف بلائیں۔ تو ان کے قلوب پر ایسا اثر ہو گا کہ وہ خود بخود ہماری طرف کھنچے چلے آئیں گے۔

حضرت حمزہؓ پر اسی بات کا اثر ہوا کہ آپ دیکھتے مسلمان ماریں کھاتے اور تبلیغ سے باز نہ آتے۔ کفار ان پر سخت سے سخت مظالم توڑنے میں کوئی دقیقہ نہ اٹھا رکھتے۔ لیکن وہ ان کو بڑی خوشی کے ساتھ برداشت کرتے۔ جب آپ نے ان کی یہ حالت دیکھی تو دل میں خیال کیا کہ یہ لوگ کبھی جھوٹ کی خاطر اتنی تکالیف برداشت نہیں کر سکتے۔

پھر اسی بات کا اثر حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر بھی ہوا۔ کہ آپ بوجہ سخت دشمن اسلام ہونے کے ایک دفعہ گھر سے یہ ارادہ کر کے نکلے کہ آج (نعوذ باللہ) آپؐ کو قتل کر دونگا۔ لیکن راستہ میں انہیں ایک شخص ملا جس نے کہا پہلے اپنے گھر کی تو خبر لو۔ تمہاری ہمشیرہ اور بہنوئی مسلمان ہو چکے

ہیں۔ آپ اپنی ہمشیرہ کے گھر گئے۔ اور غصہ میں ان کو مارنا شروع کر دیا اور کہا میں نے سنا ہے تم مسلمان ہو گئے ہو اور قرآن شریف پڑھتے ہو۔ انہوں نے نہایت جرأت کے ساتھ کہا۔ ہاں ہم قرآن شریف پڑھتے ہیں۔ اور پڑھیں گے۔ آپ بھی اگر چاہیں تو ہم سنا سکتے ہیں۔ آپ نے کہا اچھا مجھے بھی سناؤ۔ چنانچہ جب آپ کو قرآن کریم پڑھ کر سنایا گیا تو آپ ایمان لے آئے۔ (۲) آپ کی ہمشیرہ نے اسلام کی خاطر جس دلیری اور جرأت کا ثبوت دیا اس کا اثر آپ پر اس قدر ہوا کہ آپ نے فوراً سمجھ لیا کہ یہ مذہب کبھی جھوٹا نہیں ہو سکتا۔ تو جرأت اور دلیری دوسروں پر اثر کئے بغیر نہیں رہتی۔

جو شخص تبلیغ کرتے وقت مخالفین کے مظالم اور سختیوں پر اس لئے صبر کرتا ہے کہ ان سختیوں کا جواب دینے سے گو میرا تو غصہ دور ہو جائے گا لیکن اس شخص کو ہدایت نہ ہوگی۔ اور وہ ہمیشہ کے لئے صراط مستقیم سے دور جا پڑے گا۔ اس کا صبر نہایت ہی اعلیٰ درجہ کا صبر ہے۔ اور اس کے اندر ایسی شرافت اور عالی حوصلگی پائی جاتی ہے کہ مخالفین اس نظارہ کو دیکھ کر گھائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتے۔

پس میں اپنے دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ دین کی خاطر دلیری کے ساتھ ماریں کھائیں مگر عدالتوں کے دروازے نہ کھٹکھٹائیں۔ مخالفین کی گالیوں کو صبر کے ساتھ سنیں اور سچے ہو کر جھوٹے کہلائیں۔ جب ہماری جماعت کے اندر یہ حالت پیدا ہو جائے گی تو ہمارے مخالفین کے قلوب خود بخود ہماری طرف کھنچے چلے آئیں گے اور وہ بھی اسی چشمہ کا پانی پینے کے قابل ہو جائیں گے جس کے شیریں پانی سے ہم سیراب ہو چکے ہیں۔

خدا تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے کہ ہم بزدل نہ ہوں۔ بلکہ اس کی رضاء کے حصول کے لئے جو جو مصیبتیں اور تکالیف ہمیں پیش آئیں ان کو صبر کے ساتھ برداشت کریں۔ اور ہمارے وہ بھائی جو صداقت سے دور پڑے ہوئے ہیں وہ بھی اس دروازے کی طرف آجائیں۔ جس کی طرف جھک کر ہم نے ہدایت اور سچائی کو پایا۔

(الفضل ۲۳ مئی ۱۹۲۵ء)

ا۔ مہاجرین حصہ دوم مرتبہ شاہ معین الدین ندوی ص ۱۵۲

۲۔ سیرت ابن ہشام جزو اول حالات اسلام عمر بن الخطابؓ